R. No. 4156/57 Regd. No. L 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

جلد ۲۵ - شمارہ ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ / اگست ۱۹۶۶ء

آل احمد سرور

کابل میں ایک ہفتہ

(۵)

سمینار کی چھ نشستیں ہوئیں۔ پہلے چار دن روز ایک نشست ہوتی تھی، آخری سنیچر کو صبح اور شام دونوں وقت ہم لوگ جمع ہوئے۔ جمعہ کا دن افغانستان میں عام تعطیل کا ہوتا ہے، بلکہ جمعرات کی سہ پہر سے سرکاری دفاتر بند ہو جاتے ہیں۔ جمعہ کو ہم لوگوں کو سیر کے لیے سالانگ کی طرف لے جایا گیا۔ سالانگ ہندوکش میں ایک درہ ہے جو کابل سے ۸۰ میل کے قریب ہے ہم لوگ جبل السراج سے کچھ آگے تک گئے۔ راستے میں دونوں طرف انگور کی بیلیں تھیں، حبیب اللہ رژی نے بتایا کہ یہاں دس بارہ قسم کے انگور ہوتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مکانات تھے جن کی دیواروں میں سوراخ تھے۔ یہ اس لیے تھے کہ انگور سکھائے جا سکیں۔ انگور کے علاوہ آڑو، آلوچوں اور خوبانیوں کے بکثرت پیڑ تھے۔ کوہ دامن اس علاقہ کا نام ہے۔ بچہ سقہ یہیں کا رہنے والا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ اب تک اس کا خاندان موجود ہے اور اس کی بیوی کے پاس متعدد مکانات ہیں۔ بچہ سقہ نے چند دن کی بادشاہت میں روشن خیال افغانیوں کے ساتھ بڑے مظالم کیے تھے مگر ان کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ چنانچہ اس کے بال بچوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ کابل کے ارد گرد کے پہاڑ بیشتر خشک چٹانوں کا سلسلہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن کوہ دامن میں سبزہ بھی ہے، باغات بھی اور پانی بھی۔ سڑک ہماری مسوری، نینی تال کی سڑکوں کی طرح چوڑی تو نہیں مگر نہایت اچھی ہے۔ روسیوں نے بنائی ہے۔ چاریکار پہنچتے ہی ہم لوگوں کو اتنی بھوک لگی کہ دکان سے کھیرے خرید کر کھائے اور بہت مزے کے معلوم ہوئے یہیں سے ایک پہاڑی دریا جس کی تیزی اور روانی پہلگام کے لدر کی یاد دلاتی تھی۔ ہم لوگ جبل السراج سے آگے اس مقام تک گئے جہاں ایک دوسرا دریا اس دریا میں مل جاتا ہے۔ اس دریا پر ایک پل ہے جس کے نیچے بہت سے افغانی پکنک منا رہے تھے۔ یہاں ہم نے کچھ دیر آرام کیا۔ ایک افغانی نے پستے اور بادام سے ہماری تواضع کی۔ پھر ہم واپس ہوئے اور کچھ دور واپس آنے کے بعد استالیف کے راستے پر مڑ گئے۔ سالانگ کی سڑک تارکول کی ہے، یہ سڑک دیسی تھی۔ استالیف جس کے معنی یونانی میں غالباً شراب کے پیالے کے ہیں، اونچائی پر بسا ہوا ہے اور بڑا پُرفضا مقام ہے۔ یہاں سرکاری مہمان خانہ بھی ہے جس میں ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کیا۔ یہیں قمر رئیس سے ملاقات ہوئی جو تاشقند سے واپسی پر کابل میں اپنے بہنوئی کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اور سیر کے لیے استالیف آئے تھے۔ اس دن سات بجے ہمیں اپنے سفیر سے ملنا تھا۔ چنانچہ چار بجے کے قریب وہاں سے چلے اور ساڑھے چھ بجے تک ہوٹل کابل پہنچ گئے۔ یہ سیر بہت اچھی رہی، راستہ بھی خوبصورت تھا اور ساتھیوں سے ادھر ادھر کی اور مزے دار باتیں بھی ہوئیں۔ ایرانیوں میں خانلری ذہین اور خاموش آدمی ہیں۔ بزرگ مہر دلچسپ ہیں اور خاصے باغ و بہار۔ محمد رواں اور نجف دریابندری سے زیادہ باتیں رہیں۔ افغانیوں میں حبیبی، گویا اعتمادی اور حبیب اللہ رژی سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ حبیبی کبھی فارسی میں باتیں کرتے، کبھی انگریزی میں، کبھی اردو میں۔ مرزا آغا، حامد علی خاں اور عبدالشکور سے بھی پاکستان میں اردو ادب کی ترقی کی رفتار پر تبادلۂ خیال ہوا۔

شام آزاد تھی۔ رات کے کھانے کے لیے آزادی سے ہم نے فائدہ اٹھا کر جوہری کے یہاں کھانا کھایا۔ سفیر سے رخصت ہو کر ہم سیدھے جوہری کے یہاں پہنچ گئے۔

کابل کے بازاروں میں بھی گھومنے پھرنے کا کچھ اتفاق ہوا۔ دکانیں ہیں اونی اور سوتی کپڑے، بجلی کے سامان اور عورتوں کی آرایش کی چیزوں کی بڑی بہتات نظر آئی۔ سیاحوں کے لیے جو بڑی دکانیں ہیں ان میں قیمتیں خاصی گراں ہیں مگر بازار میں پھریے اور چھوٹی دکانوں پر جائیے تو خاصی سستی چیزیں مل جاتی ہیں۔ یہاں بھی ہندوستانی دکاندار نظر آئے۔ یعنی کابل کے بازاروں میں اردو سمجھنے والے خاصی تعداد میں مل جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی عام حالت اور علی گڑھ کے متعلق بھی مجھ سے سوالات کیے۔ علی گڑھ سے افغانیوں کو خاصا لگاؤ معلوم ہوتا ہے۔ افغانی بہت مہمان نواز ہیں۔ ہر شخص کی کوشش تھی کہ خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔ رژواک نے مجھ سے کہا کہ ہمارا ملک بہت مالدار نہیں مگر محبت کی دولت سے ہم مالامال ہیں۔ ہندوستان کے لیے دوستی کے جذبات خاص و عام سب میں میں نے پائے۔

سمینار پر تبصرہ و بحث بیجان و بحث کو آخر کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ اس میں حسب ذیل حضرات نے مقالے پڑھے:

۱۔ عبدالحق حبیبی۔ مسائل و مشکلات ترجمہ و تاریخچہ
۲۔ رحیم الہام۔ یونیورسٹیوں کے لیے درسی و معہود درسی کتابوں کا ترجمہ کس طرح ہو۔
۳۔ عبدالشکور احسن۔ یونیورسٹیوں کے لیے درسی کتابوں کا ترجمہ کس طرح ہو۔
۴۔ احمد کردام۔ اچھا ترجمہ
۵۔ منوچہر بزرگ مہر۔ ترجمہ فلسفہ
۶۔ علی محمد زہما۔ ترجمہ کتب افسانوی
۷۔ بخت ذریا بندری۔ ترجمہ رمان (داستان و افسانہ و ناول)
۸۔ پروفیسر نائل خانلری۔ ترجمہ شعر
۹۔ بچوں کے لیے ترجمہ۔ احمد فرزانہ

ان میں سے ہر مقالے پر سیر حاصل بحث ہوئی۔ سنیچر کی شام کو سمینار کی ساری بحث کا جائزہ لیا گیا اور ذیلی کمیٹی کی سفارشات پیش کی گئیں جو خاصی بحث کے بعد متفقہ طور پر منظور ہوئیں۔

آخری قسط میں ان سفارشات پر تبصرہ ہوگا۔

دنیا بھر کے دانشور ستمبر میں ہندستان آئیں گے

نئی دہلی، یکم اگست۔ ۲۰ سے ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء تک نئی دہلی میں جواہر لال نہرو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس منعقد ہوگی جس میں آج کی دنیا میں جواہر لال نہرو کے رول پر تبادلۂ خیال ہوگا۔ اس راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کا اہتمام یونیسکو کی طرف سے کیا جائے گا اور اس میں شرکت کرنے والے اصحاب کو ان کی ذاتی حیثیت میں مدعو کیا گیا ہے۔ اب تک جن اصحاب نے کانفرنس میں شمولیت کی دعوت قبول کرنے کی اطلاع دی ہے ان میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:-

ڈاکٹر امین حسین وزیر ثقافت حکومت متحدہ عرب جمہوریہ، قاہرہ۔ جناب فیض احمد فیض، حاجی عبداللہ ہارون کالج کراچی (پاکستان)، جناب جین پال سارترے پیرس، ہز ایکسی لینسی مسٹر عمرا آو ریشے ہند میں شام کے سفیر، اندرا گاندھی، ایم سی چھاگلہ، اشوک مہتہ، جے پرکاش نرائن، وجے لکشمی پنڈت، کارلوس فیونتیس اور فرینک موریس۔ یہ اطلاع وزیر تعلیم ایم سی چھاگلہ نے راجیہ سبھا میں شری این آر سوامی کے ایک سوال کے جواب میں دی۔ (سیاست جدید)

کرشن چندر کے فن پر بہترین خطوط لکھنے کیلیے

طلبہ اور طالبات کو انعام

ماہنامہ شاعر بمبئی کا نہایت ضخیم اور خوبصورت کرشن چندر نمبر شائع ہونے والا ہے۔ ادارہ شاعر مسرت کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ کالجوں اور ہائی اسکولوں کے جو طلبہ اور طالبات اردو کے مشہور و ممتاز افسانہ نگار کرشن چندر کے فن اور شخصیت پر خطوط کے ذریعہ اظہار خیال کریں گے، ان میں سے بہترین خطوط پر پندرہ انعامات دیے جائیں گے۔

خطوط بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ ستمبر ۱۹۶۶ء ہے۔

خط فل اسکیپ سائز پر پندرہ سطروں سے زیادہ کا نہ ہو۔ اردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں میں سے کسی میں لکھا جاسکتا ہے۔

خط کے ساتھ پرنسپل، ہیڈ ماسٹر یا شعبۂ زبان کے انچارج کی تصدیق ضروری ہے۔

طلبہ اور طالبات اپنے اپنے کالجوں اور اسکولوں کے نام اور اپنے پتے صاف تحریر کریں۔

خط کے ساتھ پندرہ پیسے کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

انعامات حاصل کرنے والے طلبہ اور طالبات کے خطوط مع ان کی تصاویر کے "کرشن چندر نمبر" میں شائع کیے جائیں گے۔ خطوط اس پتے پر بھیجے جائیں اور لفافے کی پشت پر "خطوط برائے کرشن چندر نمبر" لکھ دیا جائے۔

ایڈیٹر ماہنامہ "شاعر" مکتبہ قصر الادب، پوسٹ بکس ۴۵۲۶ بمبئی ۸ بی سی

سلام مچھلی شہری پروڈیوسر ہو گئے

نئی دہلی ۲۰ جولائی۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے مشہور شاعر جناب سلام مچھلی شہری کا تقرر آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی میں پروڈیوسر (اسپوکن ورڈ) کے عہدے پر ہو گیا ہے۔ سلام مچھلی شہری صاحب تقریباً بیس سال سے آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ ہیں۔ سلام صاحب نے اپنے نئے عہدے کا چارج ۲۰ جولائی ۱۹۶۶ء کو لے لیا ہے۔ (ایک نامہ نگار)

جناب تیج بہادر سنہا سخت علیل ہو گئے

جناب تیج بہادر سنہا مینجنگ ایڈیٹر روزنامہ سیکولر ہند اخبار جو گذشتہ کئی ہفتوں سے علیل تھے ۱۹ جولائی سے سخت علیل ہو گئے۔ خون کا دباؤ بڑھ جانے سے نطق بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ تمام دن بے ہوش پڑے رہتے ہیں۔ (دلاور سنہا)

۱۹۶۶ء کے لیے "سوویت لینڈ نہرو انعام"

نئی دہلی دوستی، ڈاکٹر ایچ آر بجن ممبر پارلیمنٹ نے سوویت لینڈ نہرو انعام کمیٹی کی جانب سے ۱۹۶۶ء کے لیے انعام کی اسکیم کا اعلان کیا۔ اس کمیٹی کی تشکیل نہرو کی موت کے فوراً بعد ۱۹۶۴ء میں کی گئی تھی۔

سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ کمیٹی کے ارکان سوویت یونین اور ہندستان کی ممتاز ادبی شخصیتیں ہیں۔ شریمتی اندرا گاندھی اس کی سرپرست ہیں۔ جناب کے۔ پی۔ ایس مینن چیرمین اور اے۔ پی۔ شیورخ نائب چیرمین ہیں۔

ہند سوویت دوستی کے استحکام کے لیے لکھی ہوئی ادبی تصنیفات، روسی زبان کی کلاسک اور دیگر سوویت کتابوں کے تراجم اور صحافت کی بہترین تخلیق کے لیے انعامات دیے جائیں گے۔ سوویت لینڈ کے کم عمر پڑھنے والوں کے لیے بھی ایک مقابلہ ہوگا جس کا موضوع "کیا تم سوویت یونین سے واقف ہو" ہوگا۔ ۱۵ اگست ۱۹۶۶ء مقابلے کے لیے داخل کی جانے والی کتب وغیرہ کی آخری تاریخ ہے۔

دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی

منشی ہرگوبند سہائے نشاط اکبر آبادی

منشی ہرگوبند سہائے نشاط آگرہ کے نہایت شریف اور ماتھر کایستھ خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے بزرگوں کے حالات اور حسب و نسب کا ذکر کایستھوں کے سلسلے کی کئی کتابوں میں محفوظ ہے۔ نشاط کے والد منشی خوب چند چند (بہار) کے کایستھ زمیندار تھے اور پٹنہ کے کلکٹر کے ہمراہ علی گڑھ تشریف لائے تھے اور یہیں کے ہو رہے۔ نشاط علی گڑھ ہی میں ۸ر دسمبر ۱۸۲۸ء کو پیدا ہوئے۔ نشاط کے والد کو علی گڑھ راس نہیں آیا اس لیے آگرہ کو اپنا وطن بنا لیا حالانکہ ان کے والد نے علی گڑھ میں کافی جائیداد خرید لی تھی۔ نشاط نے ابتدا میں فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور ان دونوں زبانوں میں کافی مہارت حاصل کرلی۔ بچپن ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ ۱۸۵۰ء میں ملازمت کے سلسلے میں دہلی جانے کا موقع ملا۔ پانچ برس تک دہلی میں صدر امین اور رجسٹر عدالت پر مامور رہے۔ اس زمانہ میں دہلی شعر و سخن کا مرکز تھا یہاں آپ کی ملاقات منشی ہرگوپال تفتہ سے ہوئی اور اردو شاعری میں ان سے مشورۂ سخن کرنے لگے۔ تفتہ نے ان کو مرزا غالب کا شاگرد کر دیا۔

اور اس طرح ان کا تعارف مرزا غالب سے ہوگیا۔ رقعات غالب میں نشاط کے نام مرزا کے کئی مکاتیب ہیں۔ ۱۸۵۵ء میں دہلی سے ملازمت کو خیرباد کہہ کے گوالیار چلے آئے اور یہاں میر منشی کے عہدے پر فائز ہوگئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کا آغاز ہوتے ہی علی گڑھ آگئے اور یہاں ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۴ء تک عدالت دیوانی میں نائب سررشتہ دار رہے۔ ایک انگریز جج مسٹر جان شور کے کہنے سے وکالت کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۶۱ء میں آگرہ میں آکر عدالت دیوانی میں وکالت کرنا شروع کردی۔ ۱۸۶۴ء میں آگرہ کے میونسپل کمشنر چنے گئے۔ آگرہ کے سلسلے میں رباعی ملاحظہ کیجئے۔

ہندوستان میں ہیں شہر اکثر آباد — پر سب ہیں اسی آگرہ سے اکثر آباد
کس درجہ نشاط مند ہوتا دل شاد — گر دیکھتا ان دنوں میں اکبر آباد

۱۸۷۵ء میں نواب کوٹہ نے آپ کو اپنے یہاں جج کے عہدے پر فائز کیا اور آپ ایک سال تک جج کے عہدے پر مامور رہے لیکن خرابیٔ صحت نے آپ کو اس عہدہ پر زیادہ عرصہ تک متمکن نہ رہنے دیا۔ کوٹہ کی تعریف میں ان کی رباعیاں ملاحظہ فرمایئے۔

کوٹہ کو کیا تھا جس نے اول آباد — تھا کوہ کن ہیں وہ بھی رشک فرہاد
لایا ہے پہاڑ کاٹ کر وہ چشمہ — دیتا ہے جو ہم کو چشمۂ شیریں یاد

کر سکتے نہیں بیاں یہ کیسا ہے لذیذ — کہہ سکتے نہیں یہ بات ایسا ہے لذیذ
جب پائیں گے کچھ مزہ تو بتلائیں گے — طعم غم خوان عشق جیسا ہے لذیذ

کوٹہ جو گئے چھوڑ کر اپنا گھر — آزاد روش کا طرز تھا مد نظر
جب سے بچے مرطے تو معلوم ہوا — آزادہ وہ ہیں نہ جن کا گھر اور نہ در

سال بھر بعد ملازمت سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کرلی اور آخری دور میں مذہبی رنگ میں بالکل رنگ گئے تھے اور راج گھاٹ کے تیرتھ استھان پر یاتریوں کے لیے ایک دھرم سالہ تعمیر کرائی تھی جو اب بھی موجود ہے۔ اس دھرم سالہ کی تعمیر کے لیے کنور ذوالفقار علی خاں رئیس دانپور نے آپ کو بغرض تیاری دھرم سالہ ایک قطعہ آراضی موضع راج گھاٹ میں عطا کیا تھا۔ نشاط کی تاریخ حصول قطعہ آراضی ملاحظہ کیجئے۔

کنور ذوالفقار علی خاں نے کی عطا کس — کتاب رنگ ہے تا غاریہ زمیں مجھ کو
جو پوچھئے ہو کہ تعداد و درجہ کتنی ہے — تو یہ سمجھ لو کہ اس کی خبر نہیں مجھ کو
بناؤں گا میں یہاں اک خوش جگہ ایسی — ہے جس سے خلق کی آرام کا یقین مجھ کو
تھے سن ۱۸۷۰ اٹھارہ سو ستر عیسوی کے
کہ اس عطا سے انھوں نے کیا رہین مجھ کو

۱۸۷۷ء میں راج گھاٹ کے تیرتھ استھان پر ایک بڑے پیمانے پر یگیہ کیا اور اس میں آٹھ سو سے زیادہ عالموں اور پنڈتوں کو اس موقع پر آپ نے جمع کیا تھا۔ ۱۸۷۷ء کے بعد اپنی عمر کا زیادہ حصہ راج گھاٹ ہی میں خدا کی عبادت اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں لگا دیا تھا۔ راج گھاٹ ہی میں ۲ر مئی ۱۸۹۱ء کو اس جہان فانی کو آپ نے خیرباد کہا۔ اولاد میں کئی لڑکیاں اور دو لڑکے: بابو امر ناتھ شرر مرحوم اور بابو دارکا پرشاد بانی یادگار چھوڑے تھے۔ ان کے خاندان کے بہت سے افراد آگرہ اور دہلی میں مقیم ہیں۔

آپ کا اردو اور فارسی کا دیوان نشاط احباب "میری لائبریری" میں محفوظ ہے۔ یہ دیوان ۱۸ر جنوری ۱۸۷۷ء کو مطبع نول کشور واقع کانپور میں باہتمام جناب منشی دیال شائع ہوا تھا۔ اس دیوان کے علاوہ "انجم منیر" "آئین ہرگوبند" "کایستھ مت دل" اور ضوابط شادی وغیرہ تصانیف کایستھوں کی اصلاح اور بہبودی کے متعلق ہیں۔ ان کتابوں کے علاوہ نشاط المحاسبین اور مبادی الحساب بھی آپ سے یادگار رہیں۔

نشاط مرزا غالب کے شاگرد تھے اور تلامذۂ غالب میں کل مرتبہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے کلام میں زبان کی صفائی و بیان کی سلاست اور محاورات کی برجستگی کے اچھے نمونے نظر آتے ہیں۔ معرفت کا رنگ بھی کلام میں جھلکتا ہے اور کہیں کہیں شوخی اور ظرافت بھی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ کلام ملاحظہ فرمایئے۔

ہر اک دل ہے تجلی گاہ نور پاک یزداں کا
بشکل خاص کچھ مفہوم ہو سینے تکراں کا
صفا داغ سے چہرہ نہ ہوتا ماہ کنعاں کا
صفائی پر شہادت گر نہ دیتا چاک داماں کا
گلستان جہاں سے خار غم ہے قسمت گلچیں
نہال حسرت شاداب ہے گلزار رضواں کا
تمہاری مہر وجہری میری دلگری قیامت ہے
تنور گرم سے آگے ہوا تھا جوش طوفاں کا

(باقی صفحہ ۹ کالم ۲ پر)

اعجاز صدیقی

اردو اور گجراتی

(اعجاز صدیقی صاحب کے خطبۂ صدارت (مشاعرہ جشن حریت احمد آباد) کے وہ حصے جن میں گجراتی اور اردو کے مشترک عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے، ہماری زبان کی قارئین کی دلچسپی اور معلومات کے لیے درج ذیل کیے جاتے ہیں۔ ادارہ)

قابلِ مبارک باد ہیں صوبۂ گجرات کے وہ عوام و خواص جن کی مادری زبان گجراتی ہے لیکن وہ اردو بھی جاننے کی طرح جانتے ہیں انھیں اردو زبان اور اس کے ادب و شعر سے پیار ہے اور اصل یہی پیار ہمارے ملک کی یکجہتی کی بنیاد اور نشانی ہے۔ میں نے شاہان گجرات کی پرانی تاریخیں دیکھی ہیں۔ گجرات کے تہذیب و تمدن کا تھوڑا بہت مطالعہ بھی کیا ہے اپنے دور کا ایک چوتھائی صدی سے زیادہ مدت تک گجرات کے مختلف شہروں کی قومی، تہذیبی اور لسانی زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مجھے تو کوئی ایسا بڑا فرق نظر نہیں آیا جو گجراتی اور اردو زبان کو ایک دوسرے سے دور کرتا ہو بلکہ مجھے دونوں زبانوں کے جاننے والے ملے خالص گجراتی بولنے والوں کا اردو لہجہ بھی مجھے بہت اچھا لگا۔ گجراتی زبان کی عزت و حرمت یوں اور بھی میرے دل میں بڑھ جاتی ہے کہ اس زبان نے اردو زبان ہی کی طرح ہمیشہ رواداری سے کام لیا۔ رواداری سے میرا مقصد یہ ہے کہ کئی سو سال سے گجراتی زبان اپنے اندر عربی، فارسی، سنسکرت، مراٹھی اور برج بھاشا کے الفاظ جذب کرتی رہی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اردو زبان نے دوسری زبانوں کے الفاظ کے لیے اپنے دروازے کبھی بند نہیں کیے اور یہ سوچے بغیر کہ کون لفظ کس زبان کا ہے، اگر وہ کام کا ہوا تو اسے لے لیا یہاں گجراتی زبان کے جاننے والے بیشمار دوستوں میں سے شاید بہت کم اس سے واقف ہیں کہ ان کی زبان میں دوسری زبانوں کے کتنے الفاظ ہیں۔ ان لغات کی ایک مکمل فہرست بنانا تو بہت بڑا کام ہے۔ میں سرسری طور پر صرف چند الفاظ پیش کرتا ہوں ذیل کے منتخب کردہ عربی و فارسی الفاظ جس طرح اردو زبان کا اپنا سرمایہ سمجھے جاتے ہیں بالکل اسی طرح گجراتی زبان میں بھی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک گجراتی دوست کے بقول اگر یہ الفاظ گجراتی زبان سے نکال دیے جائیں تو گجراتی زبان ہی ختم ہو جائے۔ اس کا حسن جاتا رہے۔

۱۔ دل
۲۔ محل
۳۔ بست
۴۔ سنگ
۵۔ اشر
(۳ تا ۵: ان کے لیے گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے)
۶۔ جنت۔ سورگ بھی کہتے ہیں
۷۔ درخواست۔ دو جیا بھی کہتے ہیں
۸۔ برکت
۹۔ برف
۱۰۔ ویران
(۸ تا ۱۰: گجراتی میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے)
۱۱۔ چمن
۱۲۔ گلشن
(۱۱، ۱۲: اوپون بھی کہتے ہیں)
۱۳۔ برابر۔ گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں
۱۴۔ معتبر۔ بگڑ کر میتر
۱۵۔ کمال۔ مونث بولا جاتا ہے [illegible]
۱۶۔ تعداد۔ بگڑ کر تند بروزن سنو
۱۷۔ قتل۔ بگڑ کر قتل بروزن جمل
۱۸۔ قد
۱۹۔ قبضہ
۲۰۔ قافلہ
۲۱۔ قبول
۲۲۔ کبوتر
(۱۹ تا ۲۲: گجراتی میں ان کے لیے دوسرا لفظ نہیں ہے)
۲۳۔ فکر۔ بگڑ کر فکر بروزن نشتر
۲۴۔ فرصت۔ بگڑ کر فرسد
۲۵۔ جواب۔ بگڑ کر جباب
۲۶۔ کمین۔ گجراتی میں کمینے
۲۷۔ خصلت
(۲۶، ۲۷: دوسرا لفظ نہیں ہے)
۲۸۔ خبر
۲۹۔ گرم
۳۰۔ غرض
(۲۸ تا ۳۰: گجراتی میں ان کے لیے دوسرا لفظ نہیں ہے)
۳۱۔ روپیہ۔ بگڑ کر روپیو
۳۲۔ محبت۔ پریم بھی بولتے ہیں
۳۳۔ ظاہر
۳۴۔ غزل
۳۵۔ یار
۳۶۔ شکار
۳۷۔ ساقی
(۳۴ تا ۳۷: گجراتی میں ان کے لیے دوسرا لفظ نہیں ہے)
۳۸۔ درد۔ بروزن مرد بولتے ہیں
۳۹۔ نصیب۔ بھاگیہ بھی بولا جاتا ہے
۴۰۔ زہر۔ بگڑ کر جھیر بروزن پھیر
۴۱۔ اثر۔ مونث بولتے ہیں دوسرا لفظ نہیں
۴۲۔ جوان۔ جوان، جوانی [illegible]
۴۳۔ زندگی۔ زندگی اور بگڑ کر جندگی دونوں طرح بولتے ہیں
۴۴۔ مجبور۔ مجبور اور لاچار دونوں بولتے ہیں
۴۵۔ جام
۴۶۔ نشتر
۴۷۔ سلامت
۴۸۔ معیت
۴۹۔ نشانی
(۴۵ تا ۴۹: ان کے لیے گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے)
رنج۔ بولتے ہیں مگر کم
۵۰۔ خوشی۔ دوسرا لفظ نہیں ہے۔ آنند بولتے ہیں مگر کم
۵۱۔ باغ۔ باغ اور بگیچو دونوں
۵۲۔ آباد
۵۳۔ ہوش
۵۴۔ نجر
۵۵۔ شہید
(۵۲ تا ۵۵: گجراتی میں ان کے لیے دوسرا لفظ نہیں)
۵۶۔ زخم۔ بگڑ کر جخم بروزن رقم
۵۷۔ منظور۔ بگڑ کر منجور
۵۸۔ نظر۔ بگڑ کر نجر
۵۹۔ دیوار۔ بگڑ کر دیوال
۶۰۔ ملاقات
۶۱۔ منزل
۶۲۔ سفر
۶۳۔ محنت
(۶۰ تا ۶۳: ان سب کے لیے گجراتی میں کوئی دوسرا لفظ نہیں)
۶۴۔ نادان ہے
۶۵۔ خفا۔ بگڑ کر کھپا
۶۶۔ مسافر۔ اگرچہ بھی بولتے ہیں مگر کم
۶۷۔ جسم
۶۸۔ حریف
۶۹۔ گناہ
۷۰۔ دنیا
۷۱۔ معافی
۷۲۔ عالم
۷۳۔ آبرو
(۶۷ تا ۷۳: ان کے لیے گجراتی زبان میں دوسرا لفظ نہیں ہے)
۷۴۔ جواب۔ اتر بھی بولتے ہیں
۷۵۔ جانور۔ ان کے لیے
۷۶۔ شیطان
۷۷۔ [illegible]
(۷۵ تا ۷۷: گجراتی میں دوسرا لفظ نہیں ہے)
۷۸۔ دلیل
۷۹۔ علاج
(۷۸، ۷۹: کوئی دوسرا لفظ نہیں ہے)
۸۰۔ جلدی۔ کوئی دوسرا لفظ نہیں
۸۱۔ نصیحت۔ بگڑ کر نسیت
۸۲۔ [illegible]۔ بگڑ کر [illegible]
۸۳۔ مزہ۔ بگڑ کر مجا
۸۴۔ ناتی۔ گجراتی میں مونث بولتے ہیں۔

گجراتی اور اردو زبان کی قربت و محبت کا بنیادی سبب یہی ہے کہ دونوں زبانوں میں سیکڑوں الفاظ مشترک ہیں، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ لسانی اشتراک دونوں زبانوں کی شاعری کو بھی ایک دوسرے سے قریب لانے کا سبب بنا۔ گجراتی زبان میں غزل، رباعی، قطعہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اردو زبان میں۔ دونوں زبانوں کے شعرا اپنے افکار و خیالات میں بھی خاصی مماثلت رکھتے ہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں کوئی تنازعہ ہے اور نہ ان کے ادیب و شاعر ایک دوسرے سے دور ہیں۔ نئے ترقی یافتہ گجرات کے لیے یہ بڑی قابلِ فخر بات ہے گجرات کی حکومت بھی اندھرا پردیش اور بہار اسٹیٹ کی حکومتوں ہی کی طرح اردو زبان کو پھلنے پھولنے کے مواقع دے رہی ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ یہ لسانی یکجہتی (LANGUAGES INTERGRATION) اور بڑھے گجراتی اور اردو دونوں زبانیں اس صوبہ میں ترقی کی انتہائی منزلوں تک پہنچیں ہم اردو والے ہندوستان کی ہر زبان کا احترام کرتے ہیں اور پورے ہندوستان میں ہر جگہ بولی، لکھی، اور پڑھی جانے والی اردو زبان کو اپنے ملک کی سالمیت کے لیے بہت بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

ذوالنورین

سلام مچھلی شہری

ذوالنورین مری نظروں میں ایسی شمع فروزاں تھے
جس کے گداز نور پہ سب ناز کئے دانشِ زماں تھے
شبنم و گل شخصیت ان کی اشک و تبسم ان کا خیال
ویرانوں میں خوش رہتے تھے گو خود اک گلستاں تھے
اک اچھے عالم، اک شاعر، اک ادیب، اک رفیق
ایک مکمل روحِ افسانہ پر اس کے ہزاروں عنواں تھے
کیسے کہوں اس شہزادی کو آج وہ تنہا چھوڑ گئے
جس کے لیے غزلیں لکھتے تھے جس پہ دل سے قرباں تھے
عصمت کے گلشن والوں میں تھیں جو جہاں "نورجہاں"
"ذوالنورین" بھائی تو ان کے لفظ بھی ترجماں تھے
بزم الہ آباد سے لیکر شام اودھ کی محفل تک
وہ اک فردِ مسلسل بن کر قلبِ نظر میں رقصاں تھے
جانے کیوں دل لینے والی دلّی راس نہ آئی انھیں
شاید وہ اس چاند نگر میں تنہا اور پریشاں تھے
مرحلۂ تکلیفِ غزل ہو یا ہو گھر کی بات سلام
سچی بات تو یہ ہے مجھ پر ان کے ہزاروں احساں تھے

رہگزر

رئیس مینائی

یہی رہگزر ہے!
جہاں میری یادوں کے بے جسم لاشے
خلاؤں کے زنداں میں محبوس ہیں
جہاں کتنے خورشید آئے ابھر کر
اندھیرے اجالے کا پیغام لے کر
جہاں میرے ماضی کی ہر اک کہانی
فراموشیوں کی امانت ہوئی ہے
یہی رہگزر ہے!!
اسی رہگزر پر!
مہ و سال کی گرد سوئی ہوئی ہے
اسی رہگزر پر!!
زمانے کے اکثر بت گزرے دبے پاؤں
ہر اک اجنبی کے
نقوشِ کفِ پا کو یہ جانتی ہے
مری زندگی کے
ہر اک پیچ و خم کو یہ پہچانتی ہے
یہی رہگزر ہے!
یہی رہگزر ہے!!

غزلیں

دور آفریدی

کون دیکھے بہار کا موسم؟   ہم ہیں اور تیرے پیار کا موسم
خندہ ہوتی ہے ترے ملنے کی   کیا خزاں کیا بہار کا موسم
گل خنداں تو تھے بہت لیکن   اک رہا انتظار کا موسم
زلف و شانہ و آئینہ یعنی!   تیرے سولہ سنگار کا موسم
کاش ایسے میں آپ آجاتے!
یہ گھٹا یہ پھوار کا موسم

سید خورشید اختر بسوانی

میکدے کے ایاغ روشن ہیں   کیسے کیسے چراغ روشن ہیں
کتنی ہی شمعیں جل بجھیں لیکن   آج بھی دل کے داغ روشن ہیں
جل رہی ہیں بہار کی شمعیں   لالہ و گل سے باغ روشن ہیں
ان دنوں جل کے اندھیرے میں   کیسے کیسے دماغ روشن ہیں
ظلمتِ غم کے باوجود اختر
زندگی کے سراغ روشن ہیں

جمیل کلیمی

بہار آئے اگر بادل برس لیں   چمن شاداب ہوں سیراب فصلیں
بدلتی جا رہی ہیں رنگ کیا کیا   نہ جانے اب گل و لالہ کی نسلیں
نہ باہر جاؤ جلتی دوپہر میں   تمہیں لو کے نہ یہ جھونکے جھلس دیں
ابھی شورِ سلاسل سن رہے ہیں   چمن کی کیا خبر اہلِ قفس لیں
جو بل کھاتے ہیں شانوں پر تمہارے   وہی دو ناگ پھر ہم کو نہ ڈس لیں
سکونِ دل کی خاطر شہر سے اب
جمیل ان کے نگر میں چل کے بس لیں

قوی ٹونکی

جینے کی کوئی آس نہیں ہے   پھر بھی انھیں احساس نہیں ہے
بات سے یاد ہیں اہلِ قفس کی   صحنِ چمن بھی راس نہیں ہے
ان پہ لٹا دی ہم نے جوانی   جن کو وفا کا پاس نہیں ہے
کھینچ لے عکسِ داغِ محبت   ایسا کوئی عکاس نہیں ہے
کھو کے وقارِ زیست بھی ہم کو
کچھ بھی تو احساس نہیں ہے

تسخیر فہمی

دوستو آؤ علاجِ شبِ ہجراں کرلیں   دل کے داغوں کو جوابِ مہِ تاباں کرلیں
شوقِ صادق کو اگر رہبرِ دوراں کرلیں   لوگ ہر مرحلۂ زیست کو آساں کرلیں
ہیں گرفتار سبھی ذہن سے آزاد مگر   خود اسی پر بھی ذرا اپنے نگہباں کرلیں
کس کو معلوم کہ انجامِ بہاراں کیا ہے؟   آؤ ہم مصلحتاً سیرِ گلستاں کرلیں
آنے والی ہیں گلستاں میں بہاریں فہمی
کیوں نہ ہم پہلے ہی سے چاک گریباں کرلیں

—×؛×—

سلطان احمد

شیر شاہ —— ہندوستانی قومیت کا بانی

۱۶ ویں صدی کا نصف اوّل شیر شاہ کی جدوجہد کا زمانہ تھا جبکہ ہندوستان کی قسمت اس کے حکمرانوں میں بٹی تھی۔ شمال میں رستخیز کا ہنگامہ تھا، جنوب میں سستی و پستی کی خاموشی، اور مشرق و مغرب دونوں جس حال میں تھے آپ سے مخفی نہیں۔ کوئی مرکزی حکومت تھی نہ استقلال و استحکام۔ آپ نے خواب دیکھا اور شیر شاہ نے تعبیر نکالی۔ یوں تو مہاراجے بھی ہوئے اور مہابلی بھی، لیکن کوئی شری نہ بن سکا۔ یہ شیر شاہ کا اختیار کردہ لقب تھا۔ اس نے اس لفظ کو [illegible] اپنے نام کے ساتھ سکوں میں کندہ کیا۔ پوری عبارت فارسی اور ہندی دونوں رسم خط میں لکھی گئی۔ اس سے پہلے مذہبی تذکروں میں شری رامچندر جی سننے آتے تھے، لیکن شرف تقدس کے اس لقب کو جو دیوتاؤں اور مذہبی رہنماؤں کے لیے مخصوص تھا، سیاسی وقار عطا کرنا اسی کا کام تھا۔ سکوں کی ضرب سے یہ لفظ آشنا زباں زد ہوا کہ عوامی بن گیا۔ صدیوں کے بعد اب آزاد ہندوستان میں اس لفظ کو سماجی حیثیت بھی مل گئی اور سرکاری مراسلات میں عام طور پر مستعمل ہے۔ مگر تاریخ کے اوراق میں شاید ہی کسی ایسے سکے کا ذکر ہو جس میں نام کے ساتھ یہ لفظ بھی پایا جائے، جس نے راعی و رعایا دونوں کے دلوں سے دوری اور تعصب کا خاتمہ کر دیا۔ ذرا غور کرو چار صدی پہلے کسی امر کی اشاعت کا یہ طریقہ کہ وہ سارے ملک میں گھر گھر پہنچ جائے، اور کوئی بھی اس کی دستیابی سے محروم نہ رہے۔ اس سے آسان بہتر و مختصر ذریعہ کیا ہو سکتا تھا جو سکۂ رائج الوقت کی طرح ہاتھوں ہاتھ رہے۔ یہی حال اس کے کل آئین و اصلاحات کا تھا کہ وہ سوچے سمجھے منصوبے ہوتے، عمل کے نمونے اور تیر بہدف نسخے۔ ان میں دیر کہاں اور خطا کیسی، وہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ یہ تھی دلوں کی حکمرانی۔

ملک کے ان متضاد حالات میں وہ پہلا حکمراں تھا جس نے ہندوستان میں ایک متحدہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کی فوج میں مسلمانوں کے ساتھ ہندو بھی بھرے تھے۔ وہ بڑے بڑے لشکروں کے کماندار بھی ہوتے۔ دفتروں اور محکموں میں برابری و مساوات تھی۔ تناسب کا حسن، ترتیب کا سلیقہ اور ترقی کے لیے صلاحیتوں کا معیار۔ ایک منظم اور مضبوط حکومت کے لیے اس نے جو کچھ کیا وہ اس کی انفرادی عقل و فراست اور دانش و تجربہ پر مبنی تھا۔ اس میں حق کی جرأت اور خدمت کی لگن تھی۔ وہ چھوٹے بڑے کام اپنے ہاتھوں انجام دیتا۔ حکومت کے شعبوں کی دیکھ بھال رکھتا۔ اس کے ارکان دولت یعنی وزرا جو کچھ کرتے ان سے پوری طرح باخبر رہتا۔ روزانہ محکموں کی روداد سنتا۔ وہ ساری زندگی مشاغل میں منہمک، اوقات کا شدت سے پابند اور ضابطوں کا گرویدہ رہا۔ اس کی محنتوں اور پابندیوں ہی کا طریقہ عمل اس کی حکومت کا ضامن ہوا۔ اور اس نے ہندوستان کی اس سرزمین کو ایک رنگا رنگ تہذیب و معاشرت کا گلشن بنا دیا۔ جس طرح قدرت کی بخششوں میں اس ملک کو موسموں اور بہاروں کا حصۂ کثیر ملا تھا۔ اسی طرح یہ ملک ساری دنیا کے افکار و اعمال کا ایک اجتماعی مرکز و مقام اور اقوام و ملل کا احاطۂ سمائش اور گہوارۂ تمدن بنا۔ گویا ہندوستان عالم نشان قرار پایا۔ لیکن فطرت کی ان فیاضیوں کو جس علم و بصیرت کے ساتھ شیر شاہ نے محسوس کیا، وہ کسی دوسرے کو کب نصیب ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ہندوستانی قوم کی تعمیر میں ملک کے تمام عناصر باقی اور برکار آمد رکھے اور ان میں سے کسی کو جذب و ضم ہو کر نیست و نابود نہ ہونے دیا۔ کیونکہ ان کے فنا ہو جانے سے نہ تو قدرت کے عطیوں کی قدر افزائی ہوتی اور نہ ملک کی عظمتوں کا نشان ملتا۔ یہ بانیٔ قوم کی سیر چشمی اور فراخ دلی کا ثبوت ہی نہیں، اس کی کامیابی کی دلیل بھی ہے۔

ان تاریخی کارناموں کے علاوہ، جن سے اپنے بیگانے سبھی واقف ہیں، شیر شاہ کا ایک عظیم الشان کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہندوستانی قومیت کا بانی تھا۔ پھر یہ نہیں کہ اس نے رنگ و نسل کے مختلف افراد اور ان کی متضاد طبیعتوں کو کسی عسکریت میں جکڑ کر ایک نئی قومیت کی بنیاد ڈال دی، بلکہ اس کی دور اندیشی اور بالغ النظری دیکھو کہ ان سب کو اپنی اپنی جگہ قائم اور باقی رکھتے ہوئے، صرف ان کے باہمی اتحاد اور تعاون کو اپنی قومیت کا جوہر لاینفک قرار دیا، اور اس کی وہ بے مثال صورت نظروں کے سامنے کر دی، جس کو دیکھ کر سارا ملک فریفتہ ہوا۔ اور قوم کی اس مجموعی ترقی کو ہر فرد اپنا ہی کارنامہ سمجھنے لگا۔ نفسیاتی اعتبار سے اس نے انسانی حسیات و جذبات کو مٹانے کی جگہ ان کے تصادم کے خطروں کو دور کیا اور ان پر قابو رکھنے کی صورتوں کو عمل میں لا کر ایک ایسے تعاون کی راہ نکالی، جو پورے ملک کے امن و امان اور خوش حالی کا ذریعہ بن گیا۔

پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہم ترقیات کی ان صورتوں کو فراموش کر دیں جو ہماری قومیت کی بنیاد ہیں۔ اس اعتبار سے شیر شاہ کی مختصر حکمرانی (۴۵-۱۵۴۰ء) ایک مثالی حکومت کی نشان دہی کرتی ہے۔ کاش ہندوستان میں پابندیٔ وقت کی عادت ہی اس مرد خدا کی یادگار ہوتی۔ اور ملکی حالات پر قابو پانے کی جو مثال اس نے پیش کی، اس پر عملدرآمد ہوتا، تو ہماری ترقیات کا کیا حال ہوتا۔ دنیا کے اس پہلے جہاں بان کی کامیابی کے پیش نظر شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ ہندوستان کی یہ پیش قدمی آج دنیا کی راہ نما ہوتی۔ اور چاند اور تاروں میں ہماری آبادی کے نشانات ملتے۔ یہ محض خیال آرائی نہیں، بلکہ عملی اقدام کی روشنی میں چار صدی پہلے جب مشینی دور کا نام و نشان بھی نہ تھا، صرف آدمی کے بل بوتے ملکی تعمیرات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اس کا مقررہ وقتوں میں مکمل اور کامیاب ہو جانا، کتنے صحیح و درست علم و حکمت اور مشق و مہارت کا ثبوت ہے۔ صرف اس بات کی تحقیق کہ اٹک سے پشاور تک سب سے قریب اور آسان راستہ کون سا ہو سکتا ہے، کتنا مشکل اور دشوار تھا۔ پھر یہی نہیں کہ وہ معلوم و متعین ہوا، بلکہ اس راستے کے جاری اور کشادہ کرنے، راہوں کے نکالنے، پلوں کے باندھنے، درختوں کے نصب کرنے اور امن و امان کے بحال رکھنے کی جملہ صورتیں اسی پنج سالہ مدت میں پوری کر لی گئیں۔ جبکہ عہد حاضر کے مشینی دور میں اور حکومت برطانیہ کے تمام ذرائع بروئے کار ہوتے ہوئے صرف کلکتہ سے دہلی تک سڑک کی مرمت اور ان پر الکترے بچھانے میں تقریباً بیس سال لگ گئے، تب کہیں جا کر راستہ ہموار اور رنگیاں ہوا۔ دونوں کی پائیداری اور استحکام کا فرق الگ

رہا اب کوئی تعمیر ختم ہی کب ہوتی ہے، جس کے ساتھ مرمت نہ لگی رہے۔ کیا اس طویل راستے کا ابتدائی منصوبہ، اس کی خاکہ بندی اور مکمل و کامیاب کر دینے کی صلاحیت اس مشینی مہارت سے کم ہے جو روس کے اسپوتنک کی خلائی پروازوں میں ملتی ہے۔ پھر ان دونوں کامیاب صورتوں کے درمیان اگر ان کے مصارف و مفاد اور عوامی ضرورتوں کے حصول کو مدنظر رکھا جائے، تو نتائج کے لحاظ سے آدمی مشین سے زیادہ کارگزار اور کامیاب ثابت ہوگا۔ کیونکہ مشین آدمی کی پیدا کی ہوئی ہے آدمی مشین کا نہیں۔ مشین کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن آدمی اس کی بڑی شرط ہے۔ دنیا کے سارے ذرائع ایک طرف اور آدمیت کی دولت ایک طرف۔ یہ آدمی ہے جو ذریعہ ڈھونڈ نکالتا ہے اور استعمال کرتا ہے۔ ڈھیلے مارنے سے بم برسانے تک، کیونکہ پتھر اور لوہے کی دریافت و مصرف بھی اپنے وقت کا شاندار کارنامہ تھا، جس کے تسلسل و ترقی کی صورت آج ایٹم کا عہد ہے۔ اب تخریب ہو یا تعمیر، اس کا فیصلہ بھی آدمی کے ہاتھ میں ہے، مشین کے نہیں۔ ذریعوں کا پیدا کرنا ضرورتوں کی ایجاد ہے۔ آخر یہ صنعتی انقلاب بھی مٹی کے اسی پتلے کا رہین منت ٹھہرا۔ قوموں اور ملکوں کی ترقی و بقا ان کے ذریعوں سے زیادہ آدمی اور اس کی حرکتوں سے وابستہ ہیں۔

زمانہ کی رفتار میں ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے، جب انسان ہی کوئی شے تھا نہ اس کا ذکر و مذکور۔ ابھی کتنے دنوں کی بات ہے، ایک ہمت والا آدمی اس ملک میں پیدا ہوا۔ سہسرام میں پرورش پائی، جون پور میں تعلیم پائی، دلی میں تخت پر بیٹھا اور دنوں پر حکمرانی کرنے لگا۔ پھر کالنجر کی فتح میں جلا اور اپنی ہتھیلی کو دی زمین سہسرام میں مدفون ہوا۔ اے خاک وطن دیکھ! تیری گود میں کون پڑا سوتا ہے۔ وہ جس کی تابانیوں سے ہندوستان کا آسمان روشن اور زمین منور تھی۔ مدت کتنی ہی مختصر ہو، اقبال کی چمک ہر لحظہ اس کے ساتھ رہی۔ وقت کتنا ہی طویل ہو، اس کی ہر آن اپنا شمار رکھتی ہے۔ آفتاب کسی قدر دور و مہجور ہو، اس کی کوئی کرن حیات سے خالی نہیں۔ زمانہ کہتا ہے وہ اپنا کام پورا کر چکا، دل پوچھتا ہے تیرا کیا حال ہے ؎

گلگونۂ عارض ہے نہ ہے رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

صفحہ ۳ سے آگے

شرک سے دل جبکہ جدا ہو گیا   سنگ سے بت بت سے خدا ہو گیا
پردۂ تحقیق جدا ہو گیا   دل ہی مرا نور خدا ہو گیا
گلشن اسرار ہے داغوں سے دل   درد مجھے نشو و نما ہو گیا
چشم سے قطرہ جو گرا اشک کا   خضر کو وہ آب بقا ہو گیا

ذکر خیر غیروں کا اور ہے گلا اپنا   بات پڑ گئے ہیں ہم کم ہے مدعا اپنا
درد کی حکایت ہے وقت کی شکایت ہے   یار ہے وفا اپنا بخت نارسا اپنا
رنج ہے عداوت ہے حسن بھی قیامت ہے   ہو گیا رقیب اپنا تھا جو آشنا اپنا
سرگزشت کلفت ہے جو بیان الفت ہے   رو میدادِ حیرت ہے آہ ماجرا اپنا
جوش بحر قلزم ہے کشتی و تلاطم ہے   ناخدا بھی یاں گم ہے گر خدا اپنا

اے تو عجب مست کر دشمن لو   قصہ نمرود کی خدائی کا

غیر کا بھی وہ آشنا نہ ہوا   یہ بھی اچھا ہوا برا نہ ہوا
ہنستے ہیں سن کے حال وہ میرا   میرا رونا گر رونا نہ ہوا
سوز فرقت سے دل جو داغ تھا   محو دو پیرا رخ نما نہ ہوا

بے سبب کیوں مریض عشق ہوں   تندرستی ہزار نعمت ہے
ایک جا ٹھہرتی نہیں کا فر   یہ بھی دولت کے پاؤں کیا لت ہے

وہ نئے خواب ہیں اور ہنسے کھولیں آنکھیں   نصیب سوئے ہوئے یوں بھگائے جاتے ہیں

سجدۂ بت سے منع کرتے ہو   تم کسی کے نہیں خدا صاحب
غیر کے ساتھ سیر باغ ہوئے   یہ نیا آج گل کھلا صاحب
دل شگفتہ داد کو داغ دار کیا   یہ گل کترنے لگے ان دنوں نگاہ پسیت

عارض پہ زلف آ رہی ہے   بدلی سورج پہ چھا رہی ہے

کشتی طبع کو روانی دے   بحر وحدت کا ناخدا ہے دل
آرزوئیں ہوئیں ہیں جل کر خاک   جب ذرا کیمیا بنا ہے دل

قاضی کی ریش خون کبوتر نے خضاب کی   زاغ سیاہ باغ سے نکلی جو گم شراب

وطن میں اہل ہنر کی ہمیشہ عزت ہے   شجر ثمر کے لیے ہے ثمر شجر کے لیے

اس پہ مرتے ہیں جس کا دامن شرم   دست وہم و خیال چھوڑ گیا
تبسم گل کا ہے یا خندۂ برق   وجود عشرت اہل فنا گیا

حسن اصلاحات

حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ اجمیری

ہماری زبان مورخہ ۸ جولائی ۱۹۶۶ء میں جناب سید فضل المتین کا ایک مختصر مضمون "حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ اجمیری تمہید و تاریخ" پر شائع ہوا ہے[1]۔ مجھے جناب بہاؔ اجمیری کے متعلق چند معلومات حاصل ہوئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

پیدائش :- جناب بہاؔ کی پیدائش شاید ۱۸۶۶ء میں ہوئی کیونکہ جناب محمد شرف الدین یکتاؔ جودھپوری "تذکرہ شعرائے جودھپور (بہار سخن)" میں رقم طراز ہیں کہ "تقریباً ۱۹۲۲ء یا ۱۹۲۳ء میں حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ نے بعمر ۵۶-۵۷ سال اجمیر میں وفات پائی"[2]

اب یہ بات طے شدہ ہے کہ حکیم صاحب کا انتقال اجمیر میں ۱۹۲۳ء میں ہوا۔

جناب یکتاؔ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "بہاؔ قدیم باشندے جاورے کے ہیں آباء و اجداد کا وطن قندھار ہے"[3] یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بہاؔ کے آباؤ اجداد رامپور چھوڑنے کے بعد کچھ عرصے جاورہ رہے اور اس کے بعد جودھپور آئے۔

جودھپور میں حضرت مجودؔ بدایونی کے مکان پر بڑے پیمانے پر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور حکیم بہاء الدین خاں بہاؔ بھی ان مشاعروں میں ہمیشہ شریک ہوا کرتے تھے۔ جودھپور میں جناب بہاؔ کے مقامی شاگردوں میں قابل ذکر ہیں جناب مولوی مظفر علی شاہ صاحب اثرؔ، جناب پیر ہدایت علی شاہ صاحب اور جناب حکیم قاسم علی صاحب قاسمؔ۔

جناب بہاؔ کا کلام "نغمۂ یار" (جودھپور) اور "سحاب سخن" (جودھپور) میں شائع ہوا کرتا تھا اور اس میں سے دستیاب شدہ غزلیں جناب یکتاؔ صاحب نے "بہار سخن" (تذکرہ شعرائے جودھپور) میں شریک اشاعت کی ہیں۔ ہر غزل کا مطلع اور غزل کے اشعار کی تعداد مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ کبھی جگر سے کبھی دل سے رسم و راہ ہے　　عزہ تو جب ہے مشق تری نگاہ رہے
۷ اشعار

۲۔ لڑ گئی آنکھ تیغ قاتل سے　　دھو لیے ہاتھ جان سے دل سے
۸ اشعار

۳۔ آہ ہو نالہ ہو شیون ہو فغاں ہو کوئی ہو　　یادگار عشق ہو ایسا نشاں ہو کوئی ہو
۹ اشعار

ایک غزل کے دو شعر بھی یکتاؔ صاحب نے درج کیے ہیں[4]
اس کے علاوہ ایک تضمین بر غزل میاں ہدایت شاہ صاحب ہدایتؔ بھی جس کے پانچ بند ہیں۔

مجھے حال ہی میں جناب میاں ہدایت شاہ صاحب ہدایتؔ رامپوری کا "دیوان باغ ہدایت" دیکھنے کو ملا۔ اس میں مندرجہ بالا تضمین کے چھ بند ملے ہیں۔ ممکن ہے یکتاؔ صاحب ایک بند نقل کرنا بھول گئے ہوں۔ اس کے علاوہ "دیوان باغ ہدایت" میں جناب بہاؔ کی ایک اور تضمین بر غزل ہدایتؔ صاحب جس میں پانچ بند ہیں اور موجود ہے۔ دیوان باغ ہدایت کے اختتام پر حکیم بہاؔ صاحب کا قطعہ تاریخ بھی ہے۔

چوں ہدایت شاہ دیوانے بہ گفت　　آنکہ اشعارش مبرا از عیوب
سال تالیفش چو جستم ناگہاں　　گفت ہاتف ای بہاؔ گلزار خوب

۱۳۰۹

(لیاقت علی خاں جودھپور)

مضطرؔ خیرآبادی کا نوحۂ وفات

جناب مضطرؔ خیرآبادی مرحوم نے اپنے انتقال کی غلط خبر پر خود اپنی وفات اور حیات پر ایک دلچسپ نوحہ لکھا تھا اور جنوری ۱۹۲۲ء کے "پیمانہ" (آگرہ) میں اس غلط خبر کے شائع ہو جانے پر اظہار خیال کیا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے

میستان یا ب میکدہ میری بھی سن جاؤ　　کبھی میں بھی تو رہتا تھا شریک دور پیمانہ

مضطرؔ مرحوم کا خود نوشتہ نوحۂ وفات اردو ادب میں ایک دلچسپ اضافہ اور تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے اگر کوئی صاحب پوری نظم بذریعہ "ہماری زبان" ارسال فرما دیں تو بڑا کرم ہوگا۔

(خاور جبل پوری)

بعض الفاظ کے سلسلے میں

میں نے کئی ارباب ادب کو کہتے سنا ہے کہ مندرجہ ذیل خط کشیدہ الفاظ کا استعمال پہلی صورت میں قواعد کی رو سے غلط ہے اور دوسری صورت میں صحیح ہے۔ کیا ناظرین "ہماری زبان" میں سے کوئی صاحب اس معاملہ میں بالتفصیل اور بہ اسناد قواعد روشنی ڈالیں گے۔

پہلی صورت	دوسری صورت
اس دوران میں	اس دوران ....
.... کے ذریعے سے	.... کے ذریعے
امید ہے کہ	امید کہ ....
میں آپ کا مشکور ہوں	میں آپ کا شکر گزار ہوں
" " ممنون "	" " منت گزار ہوں
وابستہ	وستہ
اس طرح سے	اس طرح

(ک۔ ب۔ پرواز)

——— ہمارا ———

[1] ہماری زبان ۸ جولائی ۱۹۶۶ء
[2] بہار سخن
[3] "
[4] "

لسانی کمشنر حکومت کو لکھتا رہتا ہے مگر اردو کی حالت بگڑتی جا رہی ہے

راجیہ سبھا میں حیات اللہ انصاری بیگم انیس قدوائی کی تقریریں

دہلی ۳۰ جولائی میں آپ کے سامنے صرف وہ ٹھوس واقعات پیش کروں گا جن کا تذکرہ لسانی کمشنر نے کیا ہے۔ ذرا دیکھئے گا کہ ان آٹھ ضلعوں میں اردو کے ان اسکولوں کی تعداد کس طرح کم ہوگئی جہاں ذریعہ تعلیم اردو تھا۔

ان الفاظ کے ساتھ راجیہ سبھا میں گذشتہ جمعرات کو حیات اللہ انصاری صاحب نے اپنی تقریر شروع کی انھوں نے بتایا کہ الموڑے میں ۴ اسکول تھے اب ۲ ہیں۔ فتح پور میں ۲۸ تھے اب ۲۲ ہیں۔ غازی پور میں ۳۹ تھے اب ۳۰ ہیں مین پوری میں ۱۲ تھے اب چھ ہیں پیلی بھیت میں ۳۵ تھے اب ۲۰ ہیں۔

انصاری صاحب نے کہا کہ سب سے زیادہ حیرت ہوتی ہے۔ گورکھپور کا حال دیکھ کر وہاں پہلے ۹۴ اسکول تھے۔ اور اب؟ اب وہاں صفر ہیں یعنی ایک بھی ایسا نہیں ہے جہاں ذریعہ تعلیم اردو ہو۔

لسانی کمشنر نے اردو والوں کی دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ہر جگہ یہ لکھا ہے کہ حکومت اتر پردیش کو توجہ دلائی گئی۔ حکومت اتر پردیش سے وجہ پوچھی گئی ہے۔ لیکن جواب نہیں ملا۔ حکومت اتر پردیش کا جواب اس معاملہ میں غیر تشفی بخش ہے۔

اردو والوں کی شکایتیں ہمارے سامنے ہیں اور یہ بات بھی سامنے ہے کہ وہ دور نہیں ہوتی ہیں۔ یہ چیز بھی سامنے ہے کہ لسانی کمشنر ان کے بارے میں حکومت کو توجہ دلاتا رہا ہے۔ اور سب سے زائد نمایاں جو چیز ہمارے سامنے آئی ہے وہ یہ کہ حکومت کمشنر کی باتوں پر ذرا بھی توجہ نہیں کرتی ہے۔

جناب والا میں پوچھتا ہوں کہ جب لسانی کمشنر آج تک بے بس ہے اور اس کی رپورٹ کا کوئی عملی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا ہے تو پھر اس عہدے سے اور اس رپورٹ سے کیا فائدہ؟ لسانی کمشنر دورے کرتا ہے۔ رپورٹ مرتب کرتا ہے رپورٹ ایوان کے سامنے آتی ہے۔ ہم ممبروں کے بہت سے گھنٹے اس پر صرف ہوتے ہیں مگر ان باتوں سے حاصل کیا ہوتا ہے؟ آخر روپیہ ان چیزوں پر کیوں صرف کیا جا رہا ہے؟

ایک سوال یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اردو سے اتنی مخالفت کیوں ہے؟ اردو کے مخالف یہ کیوں سمجھ بیٹھے ہیں کہ اردو ہندوستان کا کلچرل خزانہ نہیں ہے۔ اردو زبان کو نہ تو کسی بیرونی ملک سے درآمد کیا گیا ہے۔ اور نہ اس کو کسی بادشاہ یا شہنشاہ نے ایجاد کیا ہے۔ اور نہ اس کو کسی ایک مذہبی فرقے نے یا کسی گروہ نے بنایا ہے۔ اس زبان کو تو عوام نے بنایا۔ اور بنانے والوں میں ہندوستان بھر کے تمام حصوں کے لوگ شامل تھے اور یہ زبان بنی بھی تو اس طرح کی کہ اس نے کھڑی بولی پوری کی پوری قبول کرلی۔ پھر اس میں الفاظ کے اضافے ہوتے رہے۔ لیکن اضافے اس طرح ہوئے کہ نئے الفاظ ہندوستانی جامہ پہنتے گئے۔ ذ۔ ض۔ ظ۔ سے ادا ہونے والے الفاظ اپنا تلفظ کھو بیٹھے اور ان حرفوں کی آواز ز کی آواز ہو کر رہ گئی۔

اردو کے خیالات بھی ہندوستان نے قبول کیے اور اس طرح ہضم کیے کہ وہ اور اردو ایک چیز بن گئے۔ اردو شاعری میں واقعہ کربلا پر جو رزمیہ نظم لکھی گئی ہے اس میں نبی کے نواسوں کو سو فیصدی ہندوستانی بنا دیا گیا ہے۔ اردو کا یہ شعر ہے ؎

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہ بالکل ویدانت کا فلسفہ ہے۔ ایک اور شعر ہے۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

اس میں شاعرانہ انداز میں تناسخ کو قبول کیا گیا ہے۔

اردو شاعری کا مذہب سے بھلا کیا تعلق اس شاعری میں تو زاہدوں اور شیخوں کا مذاق اڑایا گیا ہے۔

اس زبان میں ہر مذہب کے لوگوں نے لکھا شاہجہاں پور میں جو پہلا شاسترارتھ ہوا تھا وہاں ہر مذہب کے پیشواؤں نے اردو میں بحث کی تھی۔ اردو زبان نے آزادی کی جدوجہد میں پورا حصہ لیا۔ شہید انقلابی رام پرشاد بسمل اردو کے اچھے شاعر تھے اور ان کا یہ شعر بہت مشہور ہے، اس نے بھگت سنگھ کو بہت متاثر کیا تھا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

جب بھگت سنگھ اپنی جان قربان کرنے جا رہے تھے تو انھوں نے بسمل سے فرمائش کی تھی کہ اپنی ایک غزل سنا دو۔

آزادی کے بڑے بڑے ہیروؤں کی زبان بھی اردو تھی جیسے کہ مولانا آزاد۔ رفیع احمد قدوائی۔ عبدالحمید۔

اردو ملک کی زبان ہے۔ اور ملکی کلچر کا بہت بڑا خزانہ اس میں پایا جاتا ہے۔

اس جگہ میں یہ اور بتا دوں کہ اس زبان پر ایک افسوس ناک دور بھی گزرا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب مسٹر جناح نے دو قومی نظریہ پیش کیا۔ اور اس کو زور پہنچانے کے لیے اردو کو مسلمانوں کی زبان قرار دے دیا۔

یہ افسوس ناک حالات اور زیادہ افسوس ناک اس وقت ہوگئے جب ہماری بہت سی غیر مسلم سیاسی پارٹیوں اور لیڈروں نے بھی مسٹر جناح کا نظریہ مان لیا اور مان کر اردو کے بھی مخالف ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب ملک کو آزادی ملی تو اردو کو اتر پردیش سے دیس نکالا مل گیا۔

اس کے خلاف اردو والوں نے ایک تحریک چلائی جس کو دستخطی تحریک کہا جاتا ہے۔ ہم نے بائیس لاکھ بالغوں کے دستخط اکٹھا کیے اور ان کے ساتھ صدر جمہوریہ کی خدمت میں ایک توجہ نامہ پیش کیا۔ یہ کہتے ہوئے مجھے فخر ہوتا ہے کہ جو فاضل ہستی اس وقت اس محترم ایوان کا صدر ہے، اسی نے اس گروہ کی قیادت کی تھی جس نے یہ توجہ نامہ پیش کیا تھا اس توجہ نامہ میں ہم نے مطالبات کیا پیش کیے تھے؟ کہ وہ تمام حقوق جن کے بارے میں مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت کہتی ہے کہ وہ اردو کو دینا چاہتی ہیں۔ وہ اس طرح اردو کو دی جائیں

کر اس کو حل جائیں۔ اس معاملے میں کون سی بے جا بات تھی خاص کر اس حالت میں جب کہ اردو اور ہندی میں اب کوئی کسی قسم کا بھی مقابلہ نہیں ہے۔ اردو والوں کے پیچھے ہندی پڑ رہی ہے اور اس میں وہ کسی سے پیچھے رہنا نہیں چاہتے ہیں؟

جناب والا بتائیے کہ انصاف کا تقاضا کیا ہے اور یہ ایوان اس تقاضے کو کہاں تک پورا کر سکتا ہے۔ اور اگر نہیں پورا کر سکتا ہے تو پھر یہ رپورٹ یہاں بحث کے لیے کیوں پیش کی جاتی ہے اور لسانی کمشنر کے عہدے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔

بیگم انیس قدوائی نے کہا کہ بعض لوگوں کی زبان اگر اردو نہیں ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ میری مادری زبان اردو ہے۔ حیات اللہ انصاری کی مادری زبان اردو ہے رفیع احمد قدوائی کی زبان اردو تھی ہردے ناتھ کنزرو کی مادری زبان اردو ہے اور آنند گلزار کی مادری زبان اردو ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اردو میں تعلیم حاصل کرنے کی ہم کو آسانیاں ملیں تو اس میں کیا خرابی ہے۔ ہمارا اس میں کیا قصور ہے۔ اس سلسلے میں اتر پردیش کی حکومت اس ٹال مٹول سے کیوں کام لے رہی ہے میں کہتی ہوں کہ ہم لوگ جو اپنی کارروائی پر اصرار کرنے والے ہیں اب اپنا اثر کھو رہے ہیں۔ لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ تم نے اپنی کارروائی سے کیا پایا۔

اردو ہندوستان کی سولہ چودہ زبانوں میں سے ایک ہے اور اس کے پاس بیش قیمت ادبی سرمایہ ہے۔ اگر اس کو اس کے حقوق نہیں دیے گئے تو یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔ (قومی آواز)

اردو سے متعلق تمام فیصلے جنوری ۱۹۶۷ء تک نافذ العمل ہو جائیں گے

دہلی کارپوریشن کی ایڈہاک کمیٹی کا فیصلہ

دلی ۲۸ر جولائی۔ کارپوریشن کی ایڈہاک ہندی کمیٹی نے آج اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ اردو کے متعلق اب تک جو فیصلے کیے گئے ہیں اور اسے دوسری زبان کی حیثیت سے جو سہولتیں دی گئی ہیں ان سب کو ۲۶ر جنوری ۱۹۶۷ء تک نافذ کر دیا جائے گا۔

مثلاً ناموں کی تختیاں ہندی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی نصب کی جائیں گی عرضداشتیں اردو زبان میں بھیجی جاسکیں گی فائلوں پر اردو میں نوٹنگ کرنے کی اجازت ہوگی ڈی ٹی یو کے ٹائم ٹیبل ہندی انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی شائع ہوں گے اور اس قسم کی دوسری سہولتیں۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۲۶ر جنوری ۱۹۶۷ء تک کارپوریشن کا سارا کام کاج ہندی میں کیا جائے گا۔

پنجابی کے متعلق فیصلہ کیا گیا کہ اس کا جائز مقام دیا جائے گا لیکن جن سنگھ ممبر مسٹر بجے کمار ملہوترا کی یہ ترمیم نامنظور کر دی گئی کہ کارپوریشن میں پنجابی کو اردو کا درجہ دیا جائے۔

میونسپل کمشنر سے کہا گیا ہے کہ وہ اس بات کا پتہ لگائیں کہ دلی میں پنجابی زبان کو کیا حیثیت اور کیا رعایت دی جاسکتی ہے۔

اس سے قبل تمام مخالف ممبران جن کی تعداد دس تھی یہ کہتے ہوئے بطور احتجاج واک آؤٹ کر گئے کہ ایڈہاک ہندی کمیٹی کی میٹنگ بہت تاخیر سے منعقد ہوئی ہے اور ہندی سے متعلق فیصلوں کو اب تک عملی جامہ نہیں پہنایا گیا۔ ان ممبروں کے نام یہ تھے جناب پریم ساگر گپتا کمیونسٹ رام چرن اگروال (آزاد) بجے کمار ملہوترا اور رام بابو جیسوریہ۔

(الجمعیۃ)

جناب حبیب الرحمٰن جنرل سکریٹری ریاستی انجمن ترقی اردو آندھرا کی علمی ادبی اور تہذیبی خدمات کا اعتراف

حیدرآباد ۲۳ر جولائی۔ آندھرا پردیش کی ممتاز و مشہور ادبی شخصیت پروفیسر حبیب الرحمٰن کو ان کی کلچرل خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے محکمہ تہذیبی امور حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے "سپاسنامہ" پیش کیا گیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے نواب مہدی نواز جنگ نے کہا کہ پروفیسر حبیب الرحمٰن کی خدمات کا اعتراف نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ملک میں بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی خدمات کو ہمیشہ قبولیت حاصل رہی۔ سرکاری خدمت سے سبکدوشی کے بعد پروفیسر حبیب الرحمٰن نے ریاست میں تہذیبی اور تعلیمی سرگرمیوں کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا انھوں نے اپنی ان خدمات کی نظیر کے طور پر عوام کو اردو کالج اور اردو ہال دیا ہے جو آج کل تعلیم کے بڑے مراکز بن گئے ہیں۔ پروفیسر حبیب الرحمٰن کی خدمات کے اعتراف کے سلسلہ میں حکومت آندھرا پردیش اور خاص طور پر محکمہ تہذیبی امور قابل مبارکباد ہے۔ پروفیسر حبیب الرحمٰن نے اپنی تقریر کے دوران ۱۹۴۹ء سے اپنی مختلف سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مختلف میدانوں میں کامیابی حاصل کرنے میں جن شخصیتوں نے ان کی مدد اور اعانت کی ہے وہ بھی اس اعزاز میں جو انھیں آج محکمہ تہذیبی امور کے تحت دیا جا رہا ہے برابر کے شریک ہیں۔ پروفیسر حبیب الرحمٰن اس وقت (۹) ادبی اور تعلیمی اداروں، انجمن ترقی اردو، اردو ہال ٹرسٹ، اردو اورینٹل کالج، اردو آرٹس کالج، عثمانیہ اردو وقف، آصفیہ ہائی اسکول، عثمانیہ آرٹس اور سائنس کالج، علاء الدین ٹیکنیکل ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ اور بہادر خاں ٹیکنیکل ایجوکیشن فنڈ کے معتمد ہیں۔ انھوں نے اردو میں دو کتابیں "اصول معاشیات" اور "عالمی معاشیات میں سرد بازاری اور اس کی وجوہات" تصنیف کی ہیں اور تین کتابوں "زرمبادلہ کا طریقہ" "ٹیکس عائد کرنے کا طریقہ" اور "ہندوستان اکبر کے عہد میں" کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

"دکن نیوز" کے مطابق محکمہ کلچرل امور کی جانب سے نواب مہدی نواز جنگ نے کلا بھون رویندر بھارتی میں منعقدہ تقریب میں پروفیسر حبیب الرحمٰن کو ایک ادنیٰ شال کیسہ زر جس میں (۱۱۶) روپے تھے پیش کیا اور صندل کا ہار پہنایا۔ ابتداء میں رائے جانکی پرشاد صدر اردو مجلس نے پروفیسر حبیب الرحمٰن کی علمی ادبی ثقافتی اور کلچرل خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے انھیں حیدرآبادی تہذیب، شرافت اور روایات کا جیتا جاگتا نمونہ قرار دیا۔ اس موقع پر پروفیسروں، ڈاکٹروں، علم دوست حضرات سے کلا بھون کا ہال بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں صدر شعبۂ اردو جامعہ عثمانیہ

پروفیسر ہارون خاں شروانی، جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست، برگیڈیئر جی ایم سعید، محترمہ بانو طاہرہ سعید، پروفیسر خلیل الرحمن پرنسپل ممتاز کالج، مسٹر ہاشم علی ڈپٹی سکریٹری نے بھی شرکت کی۔ ڈاکٹر پی ایس آر اپاراؤ کلچرل ریلیشنز آفیسر نے پیامات سنائے۔ (سری نواس لاہوٹی)

اردو اپنی خوبیوں کی بنا پر پھلتی پھولتی رہے گی

نئی دہلی ۸ راگست۔ اردو زبان کی اہمیت کو شعوری یا غیر شعوری طور پر کم کرنے کی کوئی سازش نہیں ہے یہ ہیں وہ الفاظ جو آج نائب وزیر داخلہ مسٹر وی سی شکلا نے راجیہ سبھا میں کہے وہ لسانی اقلیتوں سے متعلق کمشن کی چھٹی اور ساتویں رپورٹوں پر دو روزہ بحث کا جواب دے رہے تھے۔ مسٹر شکلا نے کہا کہ اردو زبان کو جس نے قومی آزادی کی جدوجہد میں اہم رول ادا کیا ہے اس ملک میں قابل احترام مقام حاصل رہے گا اور وہ اپنی خوبیوں کی بنا پر پھلتی پھولتی رہے گی۔

آپ نے کہا جب زبان مذہبی حدود کو پار کر لے گی تو وہ سماجی اور تعلیمی لحاظ سے زیادہ رول ادا کرے گی۔ چونکہ یہ ذہن ہی کا معاملہ ہے اس لیے اس کے لیے صبر و تحمل اور اس ایوان کے ممبروں کے تعاون کی ضرورت ہے تاکہ ریاستوں پر دستور ہند کی مختلف دفعات کی تعمیل کے لیے زیادہ زور ڈالا جا سکے۔

مسٹر شکلا نے بتایا کہ مدھیہ پردیش میں اردو زبان میں تعلیم حاصل کرنے والے طالب علموں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور اتر پردیش کے اردو اسکولوں کی تعداد میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے یہاں دلی میں اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے جلد از جلد اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

آپ نے کہا کہ لسانی اقلیتوں کو تحفظات دیے گئے ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے سے متعلق کوششیں کامیاب ہو رہی ہیں۔

نائب وزیر داخلہ نے کہا کہ ہندی زبان کی ریاستوں نے ایک ماڈرن ہندوستانی زبان کو تیسری زبان کے طور پر پڑھانے پر اتفاق کیا تھا آندھرا پردیش اور بہار میں اڑیا کے کئی اسکول کھل رہے ہیں مدھیہ پردیش اور بعض دوسری ریاستوں میں قبائلی بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ پنجابی صوبہ اور ہریانہ کی نئی ریاستوں میں اقلیتوں کے تحفظ کے مسئلہ پر حکومت ہند غور کر رہی ہے۔

آج راجیہ سبھا میں کمشن کی رپورٹوں پر بحث کی گئی تو مسٹر ٹی۔ بی۔ تیواڑی (کانگریس) نے مطالبہ کیا کہ جہاں سندھیوں کی تعداد زیادہ ہے وہاں ان کے بچوں کی تعلیم سندھی زبان میں ہونی چاہیے۔

مولوی عبد الشکور (کانگریس) نے مطالبہ کیا کہ اردو کے ساتھ بہتر سلوک کیا جانا چاہیے جس نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نمایاں پارٹ ادا کیا ہے آپ نے کہا کہ جن ریاستوں میں اردو زبان بولنے والوں کی بڑی تعداد رہتی ہے وہاں اردو کو علاقائی زبان کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا چاہیے اور اسے وہی درجہ دیا جانا چاہیے جو دوسری علاقائی زبانوں کو حاصل ہے۔

مسٹر عبد الغنی ڈار (آزاد) نے اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ اردو کو اس کا جائز مقام نہیں دیا جا رہا۔ اقلیتیں محسوس کر رہی ہیں کہ ان کی زبان کو دبانے کے لیے مسلسل کوششیں ہو رہی ہیں۔

مسٹر پی۔ این سپرو (کانگریس) نے بھی اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ اردو کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا سلوک کیا جا رہا ہے اگرچہ ہم اپنے آپ کو سیکولر کہتے ہیں لیکن ہمارا غیر شعوری ذہن سیکولر نہیں ہے۔ متعدد دوسرے ممبروں نے بھی بحث میں حصہ لیا اور مختلف ریاستوں میں اقلیتوں کی زبانوں کی تعلیم میں جو رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں ان کی شکایت کی۔

(الجمعیۃ)

اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس کو جمعہ کی تعطیل اردو کے موقف کو متاثر کرنے کے مترادف

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کا پریس نوٹ

حیدرآباد ۲۸ جولائی۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے آج ایک پریس نوٹ جاری کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس کو اتوار کی بجائے جمعہ کو ہفتہ واری تعطیل دینے کی جو تجویز آج کل اخباروں میں زیر بحث ہے اسے انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش ہر لحاظ سے نامناسب سمجھتی ہے۔ اول تو یہ بات ہی سمجھ میں نہیں آتی کہ یوم جمعہ اور اردو زبان دونوں میں کیا خاص تعلق ہے؟ اگر اس سے ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے تو یہ ایک ایسا صریح جھوٹ ہے جو کسی تردید کا محتاج نہیں۔ اردو زبان والوں کو ایسے ہمدردوں سے ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے کیونکہ ملک میں ایسے عناصر کی کمی نہیں ہے جو اس جھوٹ کو بہانہ بنا کر اردو کے صحیح موقف کو متاثر کرنے کی وقتاً فوقتاً کوشش کرتے رہتے ہیں۔ جن گوشوں سے یہ تجویز حکومت کے پاس پیش ہوئی ہے وہ شاید اس حقیقت سے ناواقف ہیں کہ اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس میں غیر مسلم بچے اور غیر اردو مدارس میں مسلمان بچے بھی شریک رہتے ہیں۔ یہی صورت حال اساتذہ کی بھی ہے۔ اس کے علاوہ بیسیوں سرکاری اور امدادی مدارس ایسے ہیں جہاں تلگو اور اردو دونوں زبانیں ذریعہ تعلیم کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ ان تمام صورتوں میں اگر مسلم بچوں اور اساتذہ کی خاطر جمعہ کو اور غیر مسلم اساتذہ اور بچوں کے لیے اتوار کو چھٹی دی جائے گی تو اس سے نہ صرف بے شمار انتظامی دشواریاں پیدا ہوں گی بلکہ ایک ہی جگہ کام کرنے والے مختلف افراد میں بلا وجہ غیریت اور اجنبیت کا احساس نمایاں ہوگا۔ انجمن ترقی اردو کو ڈر ہے کہ اگر خدانخواستہ اس تجویز کو روبہ عمل لایا گیا تو عملی طور پر نقصان اردو ذریعہ تعلیم والے بچوں ہی کا ہوگا اور سب سے زیادہ ان کو بے بسی اور لاپرواہی کا شکار ہونا پڑے گا۔ ان تمام حالات کے پیش نظر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی یہ غور کردہ رائے ہے کہ اتوار کی ہفتہ واری تعطیل جسے تاریخی اسباب کی بنا پر ایک بین قومی حیثیت بھی حاصل ہو گئی ہے، بدستور برقرار رہے۔

البتہ جمعہ کی نماز کے لیے مسلمانوں کو نہ صرف اسکولوں بلکہ تمام دفاتر میں بھی ڈیڑھ دو گھنٹوں کی چھٹی دینا ہر لحاظ سے مناسب اور ہندوستان کی سیکولرازم کے عین مطابق ہے۔

(سری نواس لاہوٹی)

ودربھ میں ۱۹راگست کو یوم اردو منایئے

تعلیمی و تہذیبی اداروں اور ادبی انجمنوں سے اپیل

ناگپور ڈاک سے ناگپور یونیورسٹی کی اکیڈمک کونسل کے عالیہ اردو دشمن فیصلے کے خلاف منظم احتجاج بلند کرنے کے لیے ۱۹راگست ۹۶ء بروز جمعہ سارے ودربھ میں یوم اردو منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل اپیل جناب ہادی نقشبندی نائب صدر اور جناب فیض انصاری سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) برائے علاقہ ودربھ نے جاری کی ہے۔

ودربھ میں اردو کی سلامتی اور اس سے جاری و ساری تہذیبی و ثقافتی سوتے اب ایک ہی صورت میں جاری رکھے جا سکتے ہیں کہ ودربھ کے حامیان اردو ان کے بچاؤ کے لیے منظم و متحد ہو جائیں۔ اور ایک بار پھر اردو کے دشمنوں کو بتا دیں کہ مشترکہ تہذیب کی میراث کو مٹانا اتنا آسان نہیں جتنا کہ سمجھا گیا ہے۔

جیسا کہ آپ اخبارات میں پڑھ چکے ہیں کہ وائس چانسلر ناگپور یونیورسٹی نے اس فیصلے کے اطلاق کو جس کے بعد ڈگری کورس سے اردو ختم ہو جائے گی، ایک سال کے لیے التوا میں ڈال دیا ہے یہ اعلان نہیں کیا کہ فیصلہ واپس لے لیا گیا ہے یہ التوا دراصل احتجاج کو ٹھنڈا کرنے کی ایک خوبصورت ترکیب ہے جو اردو دشمن فیصلے کے بعد سارے علاقے سارے مہاراشٹر میں پھیل گیا ہے لیکن انجمن ترقی اردو نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس خوبصورت فریب کا جادو چلنے نہیں دے گی اور اس فیصلے کے خلاف اس وقت تک منظم تحریک جاری رکھے گی جب تک کہ اسے مکمل طور پر واپس نہیں لے لیا جاتا۔

۱۹راگست کو منایا جانے والا یوم اردو اس تحریک کا پہلا منظم قدم ہوگا لہٰذا ہم ودربھ کے حامیان اردو سے اپیل کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل طریقوں پر یوم اردو منانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس کے بعد کا دوسرا منظم قدم ودربھ اردو کانفرنس ہوگی جو اکتوبر یا نومبر میں کامٹی میں بلائی جائے گی۔

"یوم اردو کا پروگرام"

۱۔ ۱۹راگست کو صبح ہر عاشق اردو چاہے وہ شہر میں رہتا ہو یا دیہات میں ایک ایک احتجاجی پوسٹ کارڈ اندرا گاندھی، گورنر مہاراشٹر ڈی پی نائک وزیر اعلیٰ مہاراشٹر مسٹر سری کا ہراج صدر کانگریس شری چھاگلہ وزیر تعلیم حکومت ہند اور کمشنر مائناریٹی لنگویجیس الہ آباد کے نام پوسٹ کرے۔ یہ پوسٹ کارڈ چھپوائے جا رہے ہیں۔ ۱۵راگست کے اندر ذیل سے طلب کیے جا سکتے ہیں۔

(۲) ۱۹راگست جمعہ کا دن ہے۔ اردو مسلمانوں کی مادری زبان ہے۔ اور مسلمان اس ملک اور ودربھ کی سب سے بڑی اقلیت ہیں۔ جمہوریہ ہند کے دستور میں اقلیتوں کی تہذیب اور ان کی زبان کے تحفظ کا مقدس عہد کیا گیا ہے۔ ناگپور یونیورسٹی نے اس عہد کو چیلنج کیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ نماز جمعہ کے بعد ہر مسجد میں احتجاجی تجویز پاس کریں۔ اور حاضرین کی دستخطوں سے اوپر درج کردہ پتوں پر بذریعہ رجسٹری بھیجیں۔

(۳) ۱۹راگست کی شب میں جلسے منعقد کیے جائیں۔ اس کے لیے شعراء احتجاجی نظمیں لکھیں۔ ان میں تقاریر کے لیے ہر مذہب و ملت کے حامیان اردو کو مدعو کیا جائے۔ طلبہ اور اساتذہ کو بطور خاص حصہ لینا چاہیے۔ ان سیاسی لیڈروں کو خصوصیت سے مدعو کیا جائے۔ جو آنے والے الیکشن میں اردو والوں سے ووٹ مانگنے آنے والے ہیں۔ ان پر واضح کیا جائے کہ ووٹ اس جماعت کو ملیں گے جو اس انصاف کی لڑائی میں اردو والوں کا کھل کر ساتھ دیں گے۔ اردو کے علاوہ یہ جلسہ بنگلہ گجراتی۔ پنجابی۔ سندھی اور انگریزی زبان پر بھی ہو۔ اگر ان زبانوں کے حامی ان جلسوں میں تقریر کرنا چاہیں تو انھیں اس کی اجازت دی جائے۔ لحاظ رہے کہ ان جلسوں میں کسی بھی زبان کے بارے میں اختلافیات نہ کہی جائے۔ ہماری لڑائی صرف اردو کے حق کے لیے ہے۔ ان جلسوں کے لیے بھی احتجاجی تجاویز اردو اور انگریزی میں چھپوائی جا رہی ہیں۔ ان کی مطلوبہ تعداد مناسب قیمت پر پوسٹ ٹکٹ دے کر وا پیسے بھیج کر طلب کی جا سکتی ہیں۔

نوٹ:- جہاں انجمن ترقی اردو کی شاخیں ہیں۔ وہ یوم اردو کے پروگرام پر دوسری مقامی تعلیمی اور ادبی انجمنوں کے ساتھ مل کر عمل کریں۔

جلسوں کی کارروائی دوسرے دن ہی مہاراشٹر کے اردو ہندی مراٹھی اور انگریزی کے اخبارات کو بھیجنے کے علاوہ سکریٹری ودربھ انجمن ترقی اردو کامٹی کو بھی ارسال کریں۔

مطبوعہ پوسٹ کارڈ اور تجاویز اس پتے سے طلب کریں۔

شمیم نفیسی، سکریٹری انجمن ترقی اردو جامع مسجد گوری بازار کامٹی

ہادی نقشبندی (نائب صدر) فیض انصاری (سکریٹری)

انجمن ترقی اردو لکھنؤ کا تعزیتی جلسہ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ اتر پردیش کے ایک جلسے میں چودھری حیدر حسین بیرسٹر کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کی سماجی تعلیمی اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ جلسہ نے اس سلسلے میں ایک تعزیتی تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔

(قومی آواز)

—— ✻ ——

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا۔